رسالة في معنى المولى

تأليف

الامام الشيخ المفيد محمد بن محمد بن النعمان ابن المعلم ابي عبدالله العكبري البغدادي (336-413ه)

تحقيق

الشيخ مهدي نجف

مولیٰ کے معنی میں ایک رسالہ

تالیف

امام شیخ مفید محمد بن محمد بن نعمان ابن المعلم ابو عبد اللہ العکبری البغدادی (336-413ھ)

تحقیق

شیخ مہدی نجف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لفظ مولیٰ کا "**امامت وخلافت**" کی بحثوں میں بہت بڑا کردار ہے، کیونکہ یہ ان سب سے اہم دلائل میں سے ایک میں آیا ہے جن پر شیعہ اہلِ بیت علیہم السلام کی امامت کے ثبوت میں استدلال کرتے ہیں، اور وہ ہے حدیثِ غدیر۔ حدیثِ غدیر کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس کے ورود (بیان ہونے) کے قبول کیے جانے، اس کی روایت کے صحیح ہونے، اور اس کے نقل کے تواتر پر اتفاق ہے، اس حد تک کہ اسناد کے اعتبار سے اس میں کسی بحث یا جدال کی گنجائش نہیں۔ پس یہ حدیث اس بات پر اجماع کے ساتھ منسوب ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، اور وہ ان کا قول ہے:

من كنت مولاه فعلي مولاه

(جس کا میں مولا ہوں، علی اس کے مولا ہیں)

اور قدیم زمانے سے شیعہ نے اس حدیث میں موجود لفظ "مولیٰ" کے مفہوم پر اپنی عقیدہ سازی کی بنیاد رکھی ہے، اور ان کے علما اور متکلمین نے اس عقیدہ کی صحت پر بحث و استدلال کو پوری طرح واضح کیا ہے۔ انہی علما میں سے شیخ مفید بھی ہیں جنہوں نے اپنی بہت سی کتابوں میں اس موضوع پر گفتگو کی، تاہم انہوں نے اس لفظ پر خاص طور پر تحقیق کے لیے دو رسالے تصنیف کیے:

ان میں سے ایک ہے:

1۔أقسام المولى في اللسان (زبان میں مولیٰ کے اقسام)

انہوں نے اس میں لغوی پہلو سے بحث کی اور علمی و دقیق طریقوں سے یہ ثابت کیا کہ حدیث میں مراد لیا گیا معنی "امامت" ہے۔ ہم نے اپنی ان نظروں (تحقیقات) میں اسی پر گفتگو کی ہے۔

دوسری:

2۔رسالة في معنى المولى (مولیٰ" کے معنی کے بارے میں ایک رسالہ)

اور یہی وہ رسالہ ہے جس کا ہم یہاں مقدمہ پیش کر رہے ہیں۔ یہ رسالہ شیخ نے ایک بحث و مباحثہ کے بعد املا کرایا، جو

اُن کا ایک معتزلی متکلم سے ہوا تھا جو (بہشمیہ) جماعت سے تعلق رکھتا تھا، جسے ابو ہاشم الجبّائی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس متکلم نے لفظ "مولیٰ" کی دلالت کو امامت پر منکر کیا، کیونکہ وہ اس بات کا انکار کرتا تھا کہ امامت اس کے لغوی معانی میں سے ہے ہی نہیں۔ شیخ مفید نے اس کا رد کیا، یہ ثابت کرتے ہوئے کہ امامت اس لفظ کے لغوی معانی میں سے ہے، بلکہ یہی اس کا اصل، موضوع لہ اور حقیقی معنی ہے۔ انہوں نے اسی طریقے سے یہ بات پیش کی جسے وہ پہلے رسالے "اقسام المولى في اللسان" میں اختیار کر چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے بڑے شاعروں کے اشعار سے استشہاد کیا، جن میں صحابہ کرام اور دوسرے حضرات شامل تھے، جن کے کلام سے زبان اور اس کے معانی کو سمجھنے میں استدلال کیا جاتا ہے۔

انہوں نے اس میں معاصر لغوی فہم سے بھی استدلال شامل کیا، اس بنیاد پر کہ یہ فہم زمانۂ رسول ﷺ سے متصل ہے۔ اس لیے کہ تمام شیعہ اپنے اسلاف سے روایت کرتے ہیں — اور ان میں سے اکثر کو فصاحت سے خارج نہیں کیا جاسکتا — یہاں تک کہ وہ روایت زمانۂ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو روزِ غدیر کے موقع پر جو منصب عطا فرمایا وہ امامت تھی، اور لفظ "مولیٰ" میں جو معنی مضمر ہے وہ "رہبری" یا "سرداری" کا ہے۔

اور اس استدلال کو اس نظریے کے مطابق سمجھا جا سکتا ہے جو اس بات میں شک کرتا ہے کہ زبان کے الفاظ کے معاصر فہم پر اعتماد کافی ہے یا نہیں، کیونکہ وہ اس فہم کے معصوم علیہ السلام سے انتساب کو، زمانے کے فاصلے اور مفاہیمِ لغویہ کے تغیر کے پیشِ نظر، قابلِ اعتماد نہیں سمجھتا۔ لیکن چونکہ یہ فہم ہمارے زمانے سے لے کر زمانۂ رسول ﷺ تک متصل ہے، تو یہی اس بات کی دلیل کے لیے کافی ہے کہ اس لفظ کے معنی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

اگرچہ یہ نظریہ سراسر باطل ہے، کیونکہ اس سے زبان کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور نصوص معطل ہو جاتی ہیں، اس لیے کہ ہر معنی کے اتصال پر دلیل کا فقدان لازم آتا ہے، اور ایسی بدیہی خرابی خود اس شبہے کے رد کے لیے کافی ہے۔ اس کے علاوہ، "اصالتِ عدمِ نقل" (یعنی یہ اصل کہ کسی لفظ کا معنی منقول نہیں ہوا جب تک اس پر دلیل نہ ہو) بھی اس کے رد کے لیے کافی ہے، جیسا کہ اپنی جگہ پر واضح کیا گیا ہے۔

شیخ مفید نے اس رسالے میں ایک دوسرا استدلال بھی پیش کیا، اور وہ یہ ہے کہ اہلِ بیتِ نبی ﷺ کے کلام سے اور ان کے اجماع سے احتجاج کیا جائے کہ "مولیٰ" امامت پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا: "اہلِ بیتِ رسول اللہ علیہم السلام سب کے سب اس پر متفق ہیں، اسے درست سمجھتے ہیں، اور اپنے والد امیر المؤمنین علیہ السلام کی امامت کے ثبوت میں اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور کوئی عقلمند یہ گمان نہیں کر سکتا کہ ان میں سے کوئی شخص عربی زبان کے علم اور فہم سے بے بہرہ ہو، کیونکہ وہ خود اس

زبان کے اہل تھے، اور اسی سے زیادہ تر زبان اخذ کی گئی۔"

در حقیقت اہلِ بیت علیہم السلام ان اولین افراد میں سے تھے جنہوں نے واقعۂ غدیر، اس کے حدیثی پہلو، اس کی دلالت اور اس کے دن کو بے مثال اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا۔ وہ غدیر کو حق کی نشانی اور اس کا وقت شمار کرتے تھے۔ پس غدیر، امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور آلِ محمد علیہم السلام کی امامت پر سب سے مضبوط دلائل میں سے ایک تھا۔ اسی سے وہ استدلال کرتے تھے، اسی کی طرف رہنمائی دیتے تھے، اور اسے ایک عظیم اسلامی عید کے طور پر اجاگر کرتے تھے، کیونکہ اسی دن اللہ کی نعمت کامل ہوئی، دین مکمل ہوا، اور اسلام اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین بن گیا—

(الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا)۔[1]

وہ اس واقعے کی خبر ایک دوسرے سے منتقل کرتے رہے، چنانچہ ان کی روایتِ حدیثِ غدیر سب سے مضبوط، سب سے معتبر اور سب سے زیادہ قابلِ اعتماد اسناد میں سے تھی۔ انہوں نے اس کی دلالت کے پہلوؤں کو واضح کیا، اس کا مکمل نص پیش کر کے، اور ان تمام قرائن کو بیان کیا جو اس کے مقاصد کو واضح اور اس کے معانی کی گہرائی کو آشکار کرتے ہیں۔

پھر وہ مناظر (معتزلی) اس بات پر اعتماد کرتا تھا کہ بعض اہلِ لغت نے "مولیٰ" کے معانی میں "اولیٰ بالتصرف" (یعنی سب سے زیادہ تصرف کا حق رکھنے والا) کے معنی کا ذکر نہیں کیا۔

شیخ مفید نے فرمایا:

اولاً، یہ کہ بعض اہلِ لغت کا کسی بات میں منفرد ہونا لغت کے ثبوت کے لیے کافی دلیل نہیں، مگر جب تمام اہلِ لغت اس پر متفق ہوں تو وہ حجت بن جاتی ہے۔

اور **ثانیاً**، بعض اہلِ لغت کا کسی معنی کا ذکر نہ کرنا، اس معنی کے انکار پر دلالت نہیں کرتا، حتیٰ کہ ان کے نزدیک بھی نہیں۔ پس ان لوگوں نے لفظ "الأولى" کا معنی بیان نہیں کیا، لیکن اسے رد بھی نہیں کیا اور نہ ہی اس کے ثبوت دینے والوں پر نکیر کی، جبکہ دوسرے اہلِ لغت اور فصحا شعراء نے اس کے معنی کو ثابت کیا ہے۔

"اور کوئی اختلاف نہیں" جیسا کہ شیخ نے فرمایا "اہلِ علم کے درمیان کہ اس باب اور اس جیسے ابواب میں اثبات کرنے والا منکر سے اولیٰ ہے"، کیونکہ جو جانتا ہے وہ اس پر حجت ہے جو نہیں جانتا۔

---

[1] المائدہ:آیت 3

پھر شیخ نے کُمَیت کے کلام کی حجیت پر بحث شروع کی اور یہاں وہی بات ذکر کی جو انہوں نے پہلی رسالہ میں اس بارے میں بیان کی تھی، اور ان کے اقوال میں سے یہ بھی فرمایا:

کُمَیت جیسے جلیل القدر عربی لغت کے ماہر پر یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسا لفظ کسی ایسے معنی پر رکھ دے جس پر کبھی لغت میں نہیں رکھا گیا، اور جسے اس سے پہلے کسی اہلِ عربیت نے اس معنی میں استعمال نہ کیا ہو، کیونکہ اگر اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہو تو پھر اس کے مثل، اس سے برتر اور اس سے کمتر سب کے لیے بھی جائز ہو جائے گا، یہاں تک کہ ساری زبان فاسد ہو جائے گی، اور ہمیں عربی زبان کے حقیقی مفہوم کو جاننے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے گا، اور اس باب میں دروازہ بند ہو جائے گا۔

اور فرمایا: "اور یہی وہ بات ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زبان کے دروازے کا بند ہو جانا، شریعت کے فساد کی چال ہے۔"

پھر شیخ نے چند فصول باندھے:

پہلے فصل میں انہوں نے اس احتمال پر گفتگو کی کہ **کہیں اہلِ لغت اور معتبر شعراء سے جہالت، یا عناد، یا اپنے عقیدے کے مطابق تاویل کا صدور تو نہیں ہوا۔**

شیخ نے اس کا جواب یہ دیا کہ

یہ بات علمِ لغت کے دروازے کو بند کر دینے اور اس کے ترک و غفلت کا سبب بنے گی، اور شیخ نے اس معنی کو بار بار دہرایا۔

دوسرے فصل میں شیخ نے ابو عبیدہ کی کتاب "غریب اللغة" سے ایک مثال پیش کی، جہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول "هي مولاكم" (یعنی وہ تمہارے اولیٰ ہیں) کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: "یعنی تم پر زیادہ حق رکھنے والا"، اور اس پر لبید کا شعر بطورِ دلیل پیش کیا۔

شیخ نے کہا:

اگر ابو عبیدہ کے ذہن میں اس لفظ کی اس تفسیر کے وقت یہ بات آ جاتی کہ شیعہ اس لفظ سے امیر المؤمنین علیہ السلام کی امامت پر استدلال کرتے ہیں، تو وہ اس کو صراحت سے بیان نہ کرتے، بلکہ اپنے اسلاف اور اپنے ہم خیال لوگوں کی طرح اس کو چھپا لیتے اور انہی کے طریقے پر چلتے۔

تیسرے فصل میں انہوں نے کمیت کے کلام سے استشہاد پر ایک اعتراض ذکر کیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ احتمال ہے کہ کمیت نے علی علیہ السلام کے لیے "ولایت" کا معنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے فرمان "من كنت مولاه" (جس کا میں مولا ہوں) سے

نہیں، بلکہ مؤمنین کے خاندان میں نبی ﷺ کے تسلیم کیے جانے سے سمجھا ہو۔
لہٰذا یہ استدلال مکمل نہیں ہوتا کہ "المولی" کا معنی "اولیٰ" (زیادہ حق رکھنے والا) ہے۔

شیخ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

اولاً: یہ بات اس دعوے کے بطلان پر دلالت کرتی ہے جو عام لوگ یہ کہتے ہیں کہ وصیت بالنص (یعنی امام کے لیے صریح نص کے ذریعے وصیت) کے قائل سب سے پہلے ابن الراوندی تھے، اور یہ کہ شیعہ نے اسی کی پیروی میں نص کا دعویٰ کیا۔
یہ گمان تمام عامہ کا متفقہ عقیدہ ہے، اور وہ اس کے ذریعے جاہل لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں، بالخصوص ان کے بزرگ ابو علی الجبائی، کیونکہ وہ اسی پر اعتماد کرتا ہے۔

اور **ثانیاً:** امیر المؤمنین علیہ السلام پر امارت و ولایت کے ساتھ سلام بھیجنے والی حدیث دراصل حدیثِ غدیر کے آخر میں وارد ہوئی ہے، اور یہ اس وقت کی ہے جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا:
«من كنت مولاه فعلي مولاه»
(جس کا میں مولا ہوں، علی بھی اس کے مولا ہیں)
تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے امت کو حکم دیا کہ وہ علی علیہ السلام کے لیے اس معنی پر اقرار کریں جو لفظ "مولا" کے ذریعے ان کے لیے مقرر کیا گیا، اور فرمایا: "ان پر امیر المؤمنین کہہ کر سلام کرو"۔
پس یہ لفظ "مولا" کے معنی کو واضح کرنے، اس کی تفسیر کرنے، اور اس کے مقصود پر تاکید کرنے کے لیے تھا۔

اور **ثالثاً:** حدیثِ غدیر متواتر اور مشہور و معروف ہے، اور اس سے استدلال کرنا بھی مشہور و معروف ہے، جبکہ امامت پر باقی دلائل اس کے درجے کی شہرت نہیں رکھتے، لہٰذا کُمیت جیسے شاعر کے لیے ممکن نہیں کہ وہ معروف دلیل کو چھوڑ دے اور کسی غیر معروف چیز پر اعتماد کرے، کیونکہ یہ معمول کے خلاف ہے، بلکہ کوئی بھی ایسا نہیں کرتا، چہ جائیکہ کُمیت جیسا شخص جو اپنی ذہانت اور معرفت میں مشہور ہے۔

اور اس رسالے کے دوران کئی فوائد ہیں:

ان میں سے ایک یہ ہے کہ رواوندیہ ان فرقوں میں سے ہیں جنہوں نے "تفضیل" کو امامت کی علامت قرار دیا، اور انہوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی امامت پر اس بنیاد پر عقیدہ رکھا کہ وہ سب پر فضیلت رکھتے ہیں- جیسا کہ اُن کا گمان ہے- نہ کہ نص کی بنیاد پر۔

اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ الفاظ کے معانی کو سمجھنے میں قرینہ حالیہ (یعنی خارجی قرینہ) پر اعتماد کیا جائے، جیسا کہ انہوں نے کمیت کی مراد کو پہچاننے میں کیا، اور یہ کہ انہوں نے حدیثِ غدیر سے استدلال کیا نہ کہ کسی اور سے، کیونکہ جیسا کہ انہوں نے ذکر کیا، ایسا بلند پایہ شاعر مشہور و معروف دلیل کو چھوڑ کر کسی غیر معروف چیز سے استدلال نہیں کرتا۔

پس اس پر غور کرنا چاہیے۔

اور تمام حمد اللہ کے لیے ہے جو حمد کا ولی ہے۔

تحریر

سید محمد رضا الحسینی الجلالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شیخ مفید نے فرمایا:

بہشمیہ کے ایک شخص نے[2]—اور اس کے ساتھ معتزلہ اور مجبرہ کی ایک جماعت نے ایک مجلس میں—یہ انکار کیا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان: "من كنت مولاه فعلي مولاه" (جس کا میں مولا ہوں، علی بھی اس کے مولا ہیں)[3] امامت یا فرضِ طاعت اور قیادت پر دلالت کرتا ہے۔

اور اس نے کہا:

عربی زبان میں یہ معروف نہیں، نہ اہلِ لغت کے نزدیک معلوم ہے کہ "مولیٰ" کا معنی امام یا فرض الطاعۃ ہو، اور نہ ہی کوئی اہلِ لغت امام کے لیے "مولیٰ" کا لفظ استعمال کرتا ہے، اور نہ کسی ایسے شخص کے لیے جس کی اطاعت فرض ہو، مگر اس صورت میں جب اس کی اطاعت بادشاہت یا ملکیت کے لحاظ سے فرض ہو۔

اور کہا کہ اس باب میں اہلِ لغت ہی اصل ہیں، انہی کی طرف اس کے درست یا فاسد ہونے میں رجوع کیا جاتا ہے، پس جب یہ ان سے ثابت ہو جائے کہ "مولیٰ" کے لفظ میں تمہارا مدعا شامل نہیں، تو تمہارا استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

میں نے اس سے کہا:

تم نے جس پر انکار کیا ہے، اس میں تم نے صرف دعویٰ کیا ہے، کوئی دلیل نہیں دی، اور تمہارا یہ کہنا کہ زبان اور اہلِ زبان تمہارے بیان کے مطابق ہیں، غلط ہے، کیونکہ وہ "مولیٰ" کے لفظ میں امامت کے مفہوم کے قائل ہیں، اس کے علم میں اور اس کے اشعار میں یہ مفہوم ظاہر اور مشہور ہے، اور ان کے استعمال میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

---

[2] شہرستانی نے اپنی کتاب "الملل" (جلد 1، صفحہ 73) میں کہا: "الجبائیہ اور بہشمیہ، ابو علی محمد بن عبد الوہاب الجبائی اور اس کے بیٹے ابو ہاشم عبد السلام کے پیروکار ہیں، اور یہ دونوں بصرہ کے معتزلہ میں سے ہیں۔ ان دونوں نے اپنے اصحاب سے کچھ مسائل میں انفراد کیا، اور ان میں سے ایک نے دوسرے سے بھی کچھ مسائل میں اختلاف کیا۔"

[3] سبط ابن الجوزی نے "تذکرۃ الخواص" (صفحہ 30) میں اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور اس کے متواتر طرق کو بیان کرتے ہوئے کہا: "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ صحابہ، اعراب، اور وہ لوگ جو مکہ و مدینہ کے اطراف میں رہتے تھے، ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد میں تھے، اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت کی اور آپ سے یہ قول سنا۔"

ان میں سے ایک مثال الاخطل[4] کا قول ہے، جو عبد الملک بن مروان[5] کی مدح میں کہتا ہے:

فما وجدت فيها قريش لامرها
أعف وأوفى من أبيك وأمجدا
فاورى بزنديه ولو كان غيره
غداة اختلاف الناس أكدى واصلدا
فاصبحت مولاها من الناس كلهم
واحرى قريش أن تهاب وتحمدا

(تو قریش نے اپنے معاملے میں تیرے باپ سے زیادہ پاکیزہ، زیادہ وفادار اور زیادہ بزرگ کسی کو نہیں پایا، اس نے اپنی قوت سے آگ روشن کی، اور اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اس دن جب لوگ اختلاف میں پڑے، وہ عاجز اور کمزور ہو جاتا، پس وہ تمام لوگوں میں قریش کا مولا بن گیا، اور قریش کے لیے زیادہ سزاوار ہے کہ وہ اس سے ڈرے اور اس کی تعریف کرے۔)

پس الاخطل نے عبد الملک کو تمام لوگوں میں ان کا امام اور سردار قرار دیا لفظ "مولاها" کے ذریعے۔

اور الاخطل وہ شخص ہے جس پر عربی میں کوئی طعن نہیں، اور جسے زبان کے اعتبار سے غلط کہنا ممکن نہیں، وہ عرب کے مشہور شعرا اور فصحا میں سے تھا، اور عربی زبان کے علم میں نمایاں مقام رکھتا تھا۔

اور کمیت بن زید[6]، جن کے اشعار سے قرآنِ کریم کے مفاہیم پر استشہاد کیا گیا ہے، اور جن کی فصاحت اور زبان کی

---

4 غیاث بن صلت بن طارقہ، اور کہا گیا ہے: ابن سیحان بن عمرو بن الفدوکس بن عمرو بن مالک بن جشم، جو بنی تغلب سے تھے، کنیت ابو مالک تھی، اور "اخطل" وہ لقب تھا جو اس پر غالب آ گیا۔ اس کی ماں لیلیٰ قبیلہ ایاد کی ایک نصرانی عورت تھی۔ وہ نصرانی مذہب پر پیدا ہوا اور اسی پر مرا۔ اخطل شراب نوشی میں حد سے زیادہ تھا۔ وہ بنو امیہ کے عہد میں شام میں مشہور ہوا، اور ان کے بادشاہوں کی مدح میں بہت زیادہ شعر کہے۔ اس نے معاویہ بن ابی سفیان، یزید بن معاویہ اور ان کے بعد بنو مروان کے خلفاء کی تعریف کی، اور ان کے دشمنوں جیسے علویوں، آلِ زبیر، اور انصار کو، جو بنو مروان سے دشمنی رکھتے تھے، ہجو میں نشانہ بنایا۔ وہ 90 ہجری میں فوت ہوا۔
مآخذ: "الاغانی" جلد 8، صفحہ 320 تا 380؛ "دائرة المعارف الاسلامية" جلد 1، صفحہ 515؛ "الشعر والشعراء" صفحہ 302؛ "خزانة الادب"۔

5 عبد الملک بن مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس، 26 ہجری میں پیدا ہوا، اور ابن زبیر کے زمانے میں اسلامی ممالک کے ایک حصے پر اپنے والد کے حکم سے حکومت کی۔ ابن زبیر کے قتل کے بعد مکمل اقتدار اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ ذہبی نے کہا: "کہاں کی عدالت؟ اس نے خون بہائے اور عجیب و غریب افعال کیے۔" ابن عائشہ نے کہا: "معاملہ عبد الملک تک پہنچا جبکہ قرآن اس کی گود میں تھا، اس نے قرآن کو بند کر کے کہا: (هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ) (یہ میرے اور تیرے درمیان جدائی ہے)۔" عبد الملک 86 ہجری میں ہلاک ہوا۔
مآخذ: "تاریخ الطبری" جلد 5، صفحہ 610؛ "وفیات الاعیان" جلد 2، صفحہ 402؛ "میزان الاعتدال" جلد 2، صفحہ 664۔

6 ابو المستہل، کمیت بن زید بن خنیس بن مجالد، قبیلہ بنی اسد سے تھا۔ وہ ایک ممتاز شاعر، فقیہ، خطیب، بہادر اور شجاع انسان تھا۔ وہ عربی لغات کا عالم اور ان کے ایام کا ماہر تھا۔ وہ مضر کے شاعروں اور ان کی زبان کا ترجمان تھا۔ علم میں ثقہ تھا، یہاں تک کہ مفسرین نے اس کے اشعار کو حجت کے طور پر پیش کیا۔ ابو عکرمہ الضبی نے کہا: "اگر کمیت کا شعر نہ ہوتا تو زبان کے لیے کوئی ترجمان نہ ہوتا۔" ابو الفرج نے کہا: "وہ امام حسین علیہ السلام کے قتل کے ایام میں یعنی 60 ہجری میں پیدا ہوا اور 126 ہجری میں وفات پائی۔ اس کے مرنے کے وقت اس کے اشعار کی تعداد پانچ ہزار دو سو نواسی اشعار تھی۔" ابو عبیدہ نے کہا: "اگر بنی اسد کے لیے کمیت کے سوا کوئی فضیلت نہ ہوتی، تو یہی ان کے لیے کافی تھی۔" امام جعفر بن محمد الصادق علیہ

معرفت پر اہلِ علم کا اجماع ہے، اور جو نظم میں پیشوا اور عرب میں باوقار مقام رکھتے تھے، وہ اپنی مشہور قصیدہ میں کہتے ہیں:

ويوم الدوح دوح غدير خم * أبان له الولاية لو اطيعا

ولكن الرجال تبايعوها * فلم أر مثلها خطرا مبيعا

فلم أبلغ به لعنا ولكن * أساء بذاك أولهم صنيعا

(اور غدیر خم کے دن اس کے لیے ولایت کو ظاہر کیا گیا، اگر اس کی اطاعت کی جاتی، لیکن لوگوں نے اس پر بیعت کر لی، میں نے کبھی ایسا خطرناک سودا نہیں دیکھا، میں نے اس پر لعنت نہیں کی، مگر ان کے پہلے نے اس میں برا کام کیا۔)

کمیت نے خبرِ غدیر کے ذریعے علیؑ کے لیے امامت واجب قرار دی، اور "مولیٰ" کے لفظ کے ذریعے ان کی قیادت کا بیان کیا۔

اور کمیت جیسے فصیح و بلیغ عربی عالم پر یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی لفظ کو ایسے معنی میں استعمال کرے جس پر وہ لفظ عربی زبان میں کبھی رکھا ہی نہ گیا ہو، اور نہ اس سے پہلے کسی اہلِ عرب نے اسے اس معنی میں استعمال کیا ہو، جیسا کہ تم نے بیان کیا۔

کیونکہ اگر یہ اس پر جائز ہو تو پھر اس کے برابر، اس سے بلند اور اس سے کمتر سب پر جائز ہو جائے گا، جس سے پوری زبان فاسد ہو جائے گی، اور عربی زبان کے حقیقی معانی جاننے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہے گا، اور یہ باب بند ہو جائے گا۔

پھر ان دونوں (الاخطل اور کمیت) سے پہلے وہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فصحائے عرب موجود تھے جنہیں قرآن کے ذریعے چیلنج دیا گیا، اور جن کے عاجز آ جانے سے قرآن کا اعجاز ظاہر ہوا، انہوں نے خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امیر المؤمنین علیہ السلام کے بارے میں یہ کلام فرماتے سنا، اور اس کا مفہوم سمجھا، اور اس کے مقصد پر واقف ہوئے، کیونکہ وہ اس کے الفاظ کے مخارج کو دیکھ رہے تھے، اس کے اشاروں کو مشاہدہ کر رہے تھے، اور اس کے مراد کو سمجھنے پر مجبور تھے۔

ان میں سے ایک قیس بن سعد بن عبادہ رحمہ اللہ ہیں[7]، جو اپنی اس مشہور قصیدہ میں کہتے ہیں—اور اس قصیدہ کے قول

السلام نے اس کے اشعار سننے کے بعد اس کے لیے دعا کی اور فرمایا: "اللھم اغفر للكميت ماقدم وما أخر وما أسر وما أعلن، واعطه حتى يرضى" (اے اللہ! کمیت کو اس کے اگلے پچھلے، پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہوں کی مغفرت فرما، اور اسے اتنا عطا کر کہ وہ راضی ہو جائے)۔
مآخذ: "الاغانی" جلد 17، صفحہ 41؛ "الاعلام" جلد 6، صفحہ 92۔

[7] ابو عبد الملک، قیس بن سعد بن عبادہ بن دُلیم، جو بنی ساعدہ بن کعب بن خزرج سے تھے، سنہ سینتیس ہجری کے ربیع الاول کے آغاز میں مصر میں داخل ہوئے، انہیں امام امیر المؤمنین علیہ السلام کی طرف سے وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا تھا، پھر امام علیہ السلام نے انہیں اس عہدے سے معزول کر دیا، تو قیس مدینہ واپس آ گئے، پھر امام علیہ السلام کے پاس کوفہ پہنچے، اور

پر اہلِ نقل میں کوئی شک نہیں، اور یہ بات ایسے ہی یقینی ہے جیسے ان کی امیر المؤمنین علیہ السلام کے ساتھ نصرت اور صفین و بصرہ کی جنگ میں شرکت کا علم یقینی ہے—اور یہ وہ قصیدہ ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

قلت لما بغى العدو علينا

حسبنا ربنا ونعم الوكيل

حسبنا ربنا الذى فتح البص

رة بالامس والحديث طويل

(میں نے کہا جب دشمن ہم پر ظلم کرنے لگا، ہمارا رب ہمارے لیے کافی ہے، اور وہ بہترین کارساز ہے، ہمارا رب وہ ہے جس نے کل بصرہ کو فتح کیا، اور بات طویل ہے۔)

یہاں تک کہ وہ کہتا ہے:

وعلي امامنا وامام لس

وانا أتى به التنزيل

يوم قال النبي: من كنت مولا

فهذا مولاه خطب جليل

إن ما قاله النبي على الامة

حتم ما فيه قال وقيل

(اور علیؑ ہمارے امام ہیں اور سب کے امام ہیں، اور قرآنِ کریم نے بھی اسی کی تصدیق کی، جس دن نبی نے فرمایا: "من كنت مولاه فهذا مولاه"—یہ ایک عظیم خطبہ تھا—جو کچھ نبی نے امت پر فرمایا، وہ قطعی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔)

پس وہ اس طرح قطعی طور پر امیر المؤمنین علیہ السلام کی امامت کی گواہی دیتا ہے خبرِ غدیر کی بنیاد پر، اور واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ نبیؐ کا یہ فرمان ان پر عمومی قیادت اور امامت واجب کرتا ہے۔

یہ سب اس حال میں ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے، انصار میں سے پیشوا تھے، اور جیسا کہ ہم نے ابتدا میں کہا، خود اس موقع کے گواہ تھے۔

صفین کے دن امیر المؤمنین علیہ السلام کی فوج کے مقدمہ (آگے والے دستے) پر تھے، اور وہ "شرطة الخميس" (منتخب خاص دستے) کے امیر تھے۔ قیس بن سعد برابر علی علیہ السلام کے ساتھ رہے یہاں تک کہ علی علیہ السلام شہید ہوگئے، پھر وہ امام حسن بن علی علیہ السلام کے ساتھ ہوگئے، امام علیہ السلام نے انہیں اپنے لشکر کے مقدمہ پر بھیجا جب وہ شام کی طرف جانا چاہتے تھے، اور جب امام علیہ السلام اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان صلح ہوگئی تو قیس مدینہ واپس آگئے، اور وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ معاویہ کی خلافت کے آخر میں وفات پائی۔
(حوالہ: الطبقات الكبرى لابن سعد 6: 52، الولاة والكتاب والقضاة: 22 - 20)

پھر حسان بن ثابت[8] اور ان کا وہ مشہور شعر اس موقع پر، اور وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاعر تھے، جو جاہلیت اور اسلام دونوں میں فصاحت میں مقدم تھے۔ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا:

(لا تزال مؤيدا بروح القدس ما نصرتنا بلسانك)

(تو ہمیشہ روح القدس کی تائید سے مدد پاتا رہے گا جب تک تو اپنی زبان سے ہماری نصرت کرتا رہے گا)۔

یہ بات شیعہ حضرات نے اپنی تمام روایتوں کے ذریعے اپنے اسلاف سے نقل کی ہے، یہاں تک کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد تک پہنچتی ہیں کہ جو کچھ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزِ غدیر علی علیہ السلام کے لیے مقرر کیا تھا وہ "امامت" تھی، کیونکہ لفظ "مولیٰ" کا مفہوم "رہبری و پیشوائی" ہے۔

اور ان تمام میں اہلِ بیتِ رسول علیہم السلام شامل ہیں، جو سب اس (امامت) کا دعویٰ کرتے ہیں، اسے درست سمجھتے ہیں اور اپنے والد امیر المؤمنین علیہ السلام کی امامت کے سلسلے میں اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی عربی زبان کے علم اور لغت پر قدرت سے خارج قرار دیا جائے، کیونکہ وہ خود اس زبان کے اہل تھے، اور زیادہ تر علمِ لغت انہی سے لیا گیا ہے۔

پس اگر ہمارے اصحاب کے پاس اس باب میں صرف روایت ہی ہوتی تو وہ انہیں اشعار اور اہلِ لغت کے اقوال سے استشہاد کے بغیر کافی ہوتی، تو پھر جب ان کے پاس یہ سب کچھ موجود ہے، تو یہ تمہارے اہلِ لغت پر طعن اور ہمارے قول کو ان کی طرف منسوب کرکے فاسد قرار دینے کے دعوے کی غلطی کو ظاہر کرتا ہے۔

اس نے کہا: جو کچھ تم نے ذکر کیا ہے، اس میں تمہارے دعوے کی صحت پر کوئی دلیل نہیں، کیونکہ جو بات تم نے شروع میں "الاخطل" کے شعر سے پیش کی ہے، اس میں "مولاها" کی ضمیر (الهاء) "امت" کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ اس کے قول "فأصبحت مولاها" کا مطلب ہے "تو امت کا مددگار بن گیا"، اور "اس کی ولایت سے اس کا دفاع کرنے والا"، نہ کہ "امامت"۔

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کا مطلب "امامت" ہو جبکہ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا، "هاء" کی ضمیر امت کے لیے کنایہ ہے، اور اگر وہ امامت مراد لیتا تو اس کا مطلب ہوتا "تو امت کا امام بن گیا"، اور یہ ایسی بات ہے جسے کوئی عاقل زبان پر نہیں لاتا۔

---

8 ابو الولید، حسان بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی انصاری نجاری، حسان شاعروں کے بلند پایہ افراد میں سے تھے، اور ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے لمبی عمر پائی۔ انہوں نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی جنگ نہیں دیکھی، اور وفات سے کچھ پہلے نابینا ہو گئے۔ وہ معاویہ بن ابی سفیان کے زمانے میں فوت ہوئے۔ وہ خاص طور پر عثمان بن عفان کے وفادار تھے، کیونکہ عثمان نے ہجرت کے بعد مدینہ میں اپنے بھائی کے گھر میں زندگی بسر کی تھی، اور انہوں نے عثمان کے قتل کی ذمہ داری کو اس طرح اٹھایا کہ اس کا سلسلہ علی علیہ السلام کے دروازے تک جا پہنچا۔ (الاغاني 4:134، تهذيب التهذيب 2:216، دائرة المعارف الإسلامية 7:375)۔

رہا "الکمیت" کا وہ شعر جس میں "مولیٰ" کا ذکر ہے، تو اس میں بھی کوئی حجت نہیں، کیونکہ وہ صرف اپنے اعتقاد کی خبر دے رہا ہے جو اس نے حدیثِ غدیر کے مفہوم کے بارے میں سمجھا، اور عرب کی فصاحت اسے اعتقادی غلطی سے محفوظ نہیں رکھتی۔ تمہارے لیے کمیت سے استدلال تب ممکن ہوتا جب اس کا شعر عرب کے عمومی قول پر مبنی ہوتا، مگر چونکہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق شعر کہہ رہا ہے، جیسا چاہا، اس لیے اس میں کوئی حجت نہیں۔

اسی طرح جو تم نے "قیس" سے نقل کیا ہے، اگر وہ صحیح بھی ہو، تو وہ بھی صرف اس کے ذاتی عقیدے کی خبر ہے، تمام عرب یا تمام اہلِ فصاحت کی نہیں۔

رہا "حسان"، تو ہم اس سے استدلال سے بے نیاز ہیں، کیونکہ اس کا مشہور مذہب ابو بکر، عمر اور عثمان کے بارے میں ہے، جو اس بات کی نفی کرتا ہے جو تم اس پر الزام کے طور پر عائد کرتے ہو کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی کی امامت کا قائل تھا۔

رہی بات تمہاری "شیعہ" کے بارے میں ذکر کی، تو ہم ان میں سے اکثر کو فصاحت سے خارج نہیں کرتے، لیکن ہم ان سب کے اس عقیدے کو باطل قرار دیتے ہیں کہ لفظ "مولیٰ" کے معنی "امامت" کے ہیں۔ اور جب معاملہ یہی ہے تو یہ ثابت ہوا کہ جو ہم نے اس باب میں کہا، وہی درست ہے۔

میں نے کہا:

تم اس شخص پر کیوں اعتراض نہیں کرتے جس نے تم سے کہا کہ جو تأویل تم نے "الاخطل" کے شعر میں کی ہے، اور جس سے تم نے ہمارے استدلال کو باطل کرنے کی کوشش کی ہے، وہ سراسر غلط ہے؟ کیونکہ "الھاء" دراصل اس کے لیے کنایہ ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو، نہ کہ اس کے لیے جس کا ذکر نہ ہوا ہو بلکہ بالکل ہی نہ آیا ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے آغاز ہی میں "قریش" کا ذکر کیا اور کہا:

"فما وجدت فيها قريش لامرها"

(تو قریش نے اپنے معاملے میں کوئی راہ نہ پائی)

یہی بات اس کے آخر تک چلتی ہے۔

پھر اُس نے اسی ترتیب سے کہا:

"پس میں اس کا مولا بن گیا۔" بغیر اس کے کہ امت کو قریش یا غیر قریش کے ذکر کے ساتھ ملایا جائے، جن کے بارے

میں ضمیر "ھاء" کی کنایت صحیح ہو سکتی ہے۔ تو تُو اپنے تاویل کو اس تاویل پر کیسے محمول کر سکتا ہے، حالانکہ اگر معاملہ تیرے کہے کے مطابق ہوتا، تو کلام مدحِ مخصوص کی حد سے نکل جاتا یا لفظ میں تناقض پیدا ہوتا اور غرض کے فساد پر دلالت کرتا۔ کیونکہ امت کی نصرت صرف اسی (یعنی علیؑ) پر منحصر نہ تھی، جس طرح دیگر ائمہ پر منحصر نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کی جماعت پر ہے۔ بلکہ تیری رائے کے مطابق اگر اسے مخصوص کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ امام کے علاوہ اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص ہو جو اس کے لیے بیعت باندھنے والے ہیں، کیونکہ وہ (امامت) انہی کے عقد سے ثابت ہوتی ہے اور انہی کے انتخاب سے صحیح ہوتی ہے، اور وہ امام کے پیچھے اس لیے ہوتے ہیں کہ جب وہ غلطی کرے تو اسے ادب سکھائیں اور جب وہ کجی یا لغزش دکھائے تو اسے سیدھا کریں۔ پس پھر مدح میں جو چیز اس کے لیے خاص کی گئی ہے، ان لوگوں میں سے کسی کے بارے میں ظاہر نہ ہوتی، بلکہ جو شخص اسے اس کے لیے خاص ٹھہرائے وہ اپنے ارادے میں احمق اور اپنے مقصد میں جاہل ہو گا، کیونکہ اس کا یہ کہنا: "پس میں اس کا مولا بن گیا" (فأصبحت مولاها) عقد کے بعد بیان کرتا ہے نہ کہ اس سے پہلے، اور تیرے کہنے کے مطابق اس سے مراد وہ چیز بنتی ہے جو عقد سے پہلے ہی لوگوں میں اس کے لیے موجود تھی، یعنی وہ نصرت جو تمام مسلمانوں میں مشترک ہے۔ اور یہ ایک ایسا باب ہے جس میں غور کرنے سے قول کی صحت ظاہر ہو جاتی ہے، مدح کرنے والے کے اشعار پر تدبر کیا جائے تو ان کے مقاصد کا پتا چلتا ہے، اور انصاف کے ساتھ وہ حقیقت معلوم ہو جاتی ہے جو ہم نے کہی ہے، نہ کہ وہ جو تونے تاویل کی ہے۔

رہا تیرا الکُمَیت کے شعر کے بارے میں یہ عذر کہ اُس نے عقد کا ذکر کیا اور عقد میں غلطی ممکن ہے، تو یہ بات سب سے زیادہ تعجب انگیز ہے، کیونکہ اس کا "عقد" لفظ کے معنی کے لحاظ سے عقل یا قیاس کے طریقے سے نہ تھا کہ اس میں غلطی کا احتمال تسلیم کیا جائے، بلکہ یہ زبان (لغت) کے پہلو سے تھا، کیونکہ الفاظ کے معانی میں اہلِ عقل میں سے کوئی بھی شخص ان کے مستحق معنی کے بیان میں زبان کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ پس اگر یہ جائز ہو کہ کُمَیت جیسے عظیم اللغت شخص کے بارے میں یہ گمان کیا جائے کہ وہ لفظ "مولی" کے معنی کے عقیدہ میں غلطی کر گیا یہاں تک کہ اس نے اپنے نزدیک اسے وہ معنی دے دیا جو اس سے پہلے کسی عرب نے نہیں دیا، تو پھر یہ بھی جائز ہو گا کہ جریر[9]، اخطل، فرزدق[10] بلکہ ان سے پہلے امرؤ

---

[9] جریر بن عطیہ بن حذیفہ الخطفی بن بدر الکلبي الیربوعي، قبیلہ تمیم سے تھے۔ ان کی ولادت یمامہ میں سنہ 28 ہجری میں ہوئی اور وہیں سنہ 110 ہجری میں وفات پائی۔ بعض نے کہا ہے کہ سنہ 111 ہجری میں وفات ہوئی۔ جریر اپنے زمانے کے سب سے بڑے شاعر تھے، اور ان کی ہجو بہت تیز و سخت ہوا کرتی تھی، چنانچہ ان کے مقابلے میں صرف فرزدق اور اخطل ہی ثابت قدم رہ سکے۔ (الاغاني 8: 89، خزانة الادب 1: 36)

[10] ہمام بن غالب بن صعصعہ التمیمي الدارمي، کنیت ابو فراس، جو فرزدق کے نام سے مشہور ہیں، نبیل و شریف شاعر تھے اور بصرہ کے رہنے والے تھے۔ زبانِ عربی پر ان کا اثر بہت عظیم تھا۔ کہا جاتا ہے: اگر فرزدق کا شعر نہ ہوتا تو عربی زبان کا ایک تہائی حصہ ختم ہو جاتا، اور اگر اس کا شعر نہ ہوتا تو لوگوں کی آدھی خبریں ضائع ہو جاتیں۔ ان کی اخطل اور جریر کے ساتھ ہجو کی جنگیں مشہور ہیں۔ بادیہ بصرہ میں سنہ 110 ہجری میں وفات پائی، اس وقت عمر قریب سو برس تھی۔ (الاغاني 9: 224)

القیس[11]، زہیر[12] اور جاہلیت کے دیگر شعرا نے "رجل" (آدمی)، "فرس" (گھوڑا)، "حمار" (گدھا) جیسے الفاظ اُن معنوں پر رکھ دیے ہوں جو ان سے پہلے کسی عرب نے نہیں رکھے تھے، بلکہ ان سے پہلے کے لوگوں کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا ہو۔ اور یہی وہ بات ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زبان کے دروازے کو بند کر دینا اور چالاکی سے شریعت کو فاسد کرنا ہے، اور یہی بات تیرے قیس کے بارے میں ذکر کیے ہوئے قول کو باطل کرنے کے لیے کافی ہے، کیونکہ وہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔

پس جہاں تک حسان کے بارے میں ہمارے قصے کو اس کے مشہور مذہب سے دور کرنے کی بات ہے، تو یہ ایسی بات نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے، کیونکہ میرے نزدیک، تمہارے نزدیک، بلکہ تمام عقل مندوں کے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں کہ ایک انسان کسی وقت میں ایک مذہب کو اختیار کرے، پھر دوسرے وقت اس سے رجوع کر کے کسی دوسرے مذہب کو اپنائے، کسی زمانے میں ایک قول ظاہر کرے، پھر کسی اور زمانے میں اس کے خلاف بات ظاہر کرے۔ یہی حال حسان کا ہے، جس نے قولِ غدیر کی خبر کے عین مطابق امامتِ علی علیہ السلام کی گواہی دینے والا شعر کہا۔ روایت میں آیا ہے کہ جب اس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سے اپنے بھائی امیر المؤمنین علیہ السلام کے بارے میں یہ بات سنی تو اس نے اجازت مانگی کہ کچھ شعر کہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ نے اجازت دی، اور اس نے وہ اشعار کہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بعد میں اس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہو، اور اپنے سابقہ مدح کیے ہوئے کو ذم کرنا اور اس کے دشمنوں کی مدح کرنا پسند کیا ہو۔

اور زیاد بن مرجانہ[13] تو بلا اختلاف امت کے درمیان امیر المؤمنین علیہ السلام کے شیعوں میں سے تھا، اور ظاہر میں ان سے بہت محبت رکھنے والا اور ان کی ولایت کا اظہار کرنے والا تھا، مگر پھر اس کا انجام یہ ہوا کہ وہ عثمان کی طرف مائل ہو گیا، اس

---

[11] امرؤالقیس بن حجر بن الحارث بن عمرو بن حجر آکل المرار بن معاویہ بن ثور، جو قبیلہ کندہ سے تھے، کنیت ابو الحارث تھی اور بعض نے کہا: ابو وہب۔ ان کے نام میں اختلاف ہے، بعض نے کہا: حُندُج، بعض نے کہا: ملیکہ، اور بعض نے کہا: عَدی۔ کہا جاتا ہے کہ امرؤالقیس ہی وہ پہلا شاعر تھا جس نے قصائد کی بنیاد رکھی اور عربی شاعری کے قواعد مرتب کیے۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے قصیدہ اس انداز میں کہا کہ شاعر اپنے دو رفیقوں کو روکتا ہے تاکہ وہ اس کے ساتھ مل کر گریہ کریں۔ اس طرح اس نے عربی شاعری میں ایک نئی روح پھونکی، جو پہلے صرف رجز تک محدود تھی۔ (انظر الاغاني 9: 77، دائرة المعارف الاسلامية 2: 622)

[12] زہیر بن ابی سلمی، اور ابو سلمی کا نام ربیعہ بن ریاح بن قرہ بن الحارث بن مازن تھا۔ وہ ان تین شاعروں میں سے ایک ہیں جو باقی تمام شاعروں پر فضیلت رکھتے تھے۔ جریر نے کہا: جاہلیت کے سب سے بڑے شاعر زہیر ہیں۔ (الاغاني 10: 228)

[13] ذہبی نے کہا: زیاد بن ابیہ، امیر۔ اس کی صحبت (نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی) ثابت نہیں، اگرچہ وہ عامِ ہجرت میں پیدا ہوا۔ ابن حبان نے "الضعفاء" میں کہا: "ظاہر حال اس کا گناہ پر مبنی تھا، اور اہلِ علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایسے شخص کی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔" ابن عساکر نے کہا: اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا، اور ابو بکر کے زمانے میں اسلام قبول کیا، اور معاویہ کے لیے عراق کا والی بنا۔ زیاد مغیرہ بن شعبہ کا کاتب تھا، پھر ابو موسیٰ اشعری کا، جب وہ بصرہ کا گورنر تھا۔ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اسے فارس کی ولایت دی۔ جب آپ علیہ السلام شہید ہوئے تو زیاد نے معاویہ کی بیعت سے انکار کیا، اور فارس کے قلعوں میں پناہ لی، پھر معاویہ نے 44 ہجری میں اسے اپنے نسب سے ملحق کیا، تو زیاد اس کے پاس گیا، پس زیاد اس کا سب سے مضبوط سہارا بن گیا۔ (میزان الاعتدال 2: 86، الاعلام 3: 53)

کی مدح میں غلو کرنے لگا، اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی مذمت اور سبّ میں مبالغہ کرنے لگا۔ تو پھر اس میں کیا انکار ہے کہ حسان کا حال بھی اسی طرح ہو، اور اس سے یہ شعر صادر ہوا ہو۔

رہی تمہاری یہ بات کہ شیعہ اس کے اکثر اشعار کی فصاحت سے انکار نہیں کرتے، مگر جو تم نے لفظ "مولی" کے بارے میں ان پر غلطی کا دعویٰ کیا ہے، تو یہ صرف ان کی عقد (معنی کی گہرائی) سے جہالت کی بنا پر ہے، اور اس میں بات وہی ہے جو قیس اور کمیت کے معاملے میں ہے، لفظ بہ لفظ۔ اس کے ساتھ تم نے اصل اعتماد کے مقام کو نظر انداز کر دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم نے اس روایت کے تسلسل پر اعتماد کیا ہے، جو فصاحت والوں کے اسلاف سے چلی آ رہی ہے، اور نبی کے اہلِ بیت علیہم السلام سے، پشت در پشت، یہاں تک کہ ان لوگوں تک جا پہنچی جو یومِ غدیر میں موجود تھے۔ انہوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی امامت کو اس قول سے سمجھا، اور یقین کے ساتھ جانا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے ان کے فہم کو اس کی طرف متوجہ کرنے کا ارادہ فرمایا، اور ان کی طرف اشارہ کیا۔ اور یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں جس میں قیاس یا عقل کی بنا پر غلطی واقع ہو سکے، بلکہ اگر غلطی ہو تو وہ صرف حسّاً اور سماعاً ہو سکتی ہے، اور یہ یقیناً باطل ہے، پس معلوم ہوا کہ تم نے ہماری باتوں میں سے کچھ بھی نہیں سمجھا۔

جب میں یہاں تک پہنچا تو مجلس کے صاحب نے کہا: ہمارے شیخ — خدا انہیں عزت دے — نے ایک درست اصل پر اعتماد کیا ہے، اور وہ یہ کہ جس چیز کا تعلق زبان سے ہو، اس تک پہنچنے کا راستہ اسی کی راہ اختیار کرنا ہے، نہ کہ کسی اور طرف تجاوز کرنا۔ اور ہم نے ایسی جماعت دیکھی ہے جن کے بارے میں لوگوں میں اختلاف نہیں کہ وہ زبان کے ماہر تھے، اور ان کے علمِ لغت پر کوئی طعن نہیں کیا گیا، بلکہ انہوں نے اس باب میں معتبر کتابیں تصنیف کی ہیں، جیسے خلیل بن احمد[14]، ابی زید، اور فلاں فلاں، مگر ان میں سے کسی نے اپنے کلام یا تصنیفات میں کسی جگہ یہ نہیں کہا کہ (المولی) کا مطلب امام ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو بات اس نے کہی کہ شیعہ پر لفظ کے معنی میں شبہہ داخل ہوا، وہ درست ہے، کیونکہ انہوں نے ان میں سے کسی لغت کے امام سے رجوع نہیں کیا۔

رہا کمیت کا معاملہ، تو اس کے **تین احتمال** ہیں:

14 ابو عبد الرحمن خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم الفراہیدی البصری — سیرافی نے کہا: وہ نحو کے مسائل نکالنے اور قیاس کو درست کرنے میں اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، اور وہی پہلے شخص تھے جنہوں نے علمِ عروض ایجاد کیا، اور عرب کے اشعار کو اس کے ذریعے منضبط کیا، اور "العین" نامی مشہور و معروف کتاب تصنیف کی، جس سے زبان کی درستگی ممکن ہوئی۔ دوسرے نے کہا: انہوں نے ایوب، عاصم احول اور دیگر سے روایت کی، اور ان سے سیبویہ، اصمعی اور نضر بن شمیل نے علم حاصل کیا، اور وہ نیک، متواضع، زاہد اور عفیف تھے۔ خلیل کا انتقال 175 ہجری میں ہوا، اور کہا گیا: 170 ہجری میں، اور کہا گیا: 160 ہجری میں، اور ان کی عمر 74 سال تھی۔ (بغية الوعاة 1: 56)

1۔ ایک یہ کہ اس نے امامت کے عقیدہ کی وجہ سے لفظ (مولی) کے ذریعے اس کا اظہار کیا ہو، اگرچہ یہ لفظ اہلِ زبان کے ہاں اس معنی میں معروف نہ ہو۔

2۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس نے لفظ (مولی) کے معنی میں تقویٰ کا اظہار کیا، لیکن اس کا یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس نے اہلِ لغت پر عمداً جھوٹ باندھا، اور اس نے دل و سینے میں خدا کا تقویٰ اختیار نہیں کیا۔

3۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ جو کچھ یومِ غدیر کو پیش آیا، وہ علی علیہ السلام کی سب پر برتری کو واجب کرتا ہے، اور برتری امامت کی علامت ہے جیسا کہ جماعتِ راوندیہ[15] کا خیال ہے، جنہوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی امامت کو ان کے فضل کی بنا پر مانا، نہ کہ نص کی بنا پر۔

رہا حسان، تو تم نے اس کے بارے میں کوئی ایسا قول نہیں سنایا جس پر ہم غور کر سکتے، اور اس کے معنی کو دیکھ سکتے، بلکہ تم نے اس کے بارے میں بھی وہی بات کہی جو کمیت کے بارے میں کہی، تو آؤ! جو کچھ حسان نے کہا ہے وہ بیان کرو تاکہ ہم اس پر اسی طرح غور کریں جیسے پچھلی باتوں پر کیا۔

میں نے اس سے کہا:

تم نے اس شخص پر کیا اعتراض کیا جس نے تم سے کہا کہ جن لوگوں کو تم نے زبان (عربی) کے علم سے متصف کیا ہے، اور انہیں اس علم میں امام قرار دیا ہے، اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زبان سے متعلق امور میں انہی کی طرف رجوع واجب ہے ـــ وہ (یعنی وہ اشخاص) صرف اپنے طور پر بغیر دوسروں کے حجت نہیں ہیں، اور نہ ہی ان کے علاوہ تمام اہلِ زبان انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بلکہ اگر وہ سب کسی بات پر متفق ہو جائیں، اور ان کی تعداد کے برابر یا ان سے کم کوئی دوسرا گروہ جو زبان کے علم میں معروف ہو، اگرچہ اس کا کوئی تصنیف شدہ کام موجود نہ ہو، ان کی مخالفت کرے، تو تمہارے نزدیک لازم ہو گا کہ دونوں قولوں کے درمیان ترجیح دی جائے اور دونوں مذہبوں میں غور کیا جائے۔ یہاں تک کہ اگر وہ (یعنی یہ ائمہ) کسی چیز کا انکار کریں، اور اہلِ بادیہ میں سے کوئی شخص اس کی صحت پر دلیل لائے، تو وہ دلیل اپنے چاہنے والوں میں مشہور ہو جائے گی، اور ان کے انکار سے وہ مردود نہیں ہو گی۔

---

15 نوبختی نے "فرق الشیعة" ص 47 میں کہا: "راوندیہ، یہ خالص عباسی ہیں جنہوں نے کہا کہ امامت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے چچا عباس بن عبد المطلب رحمہ اللہ کے لیے ہے۔ انہوں نے اپنی پہلی نسلوں کی ولایت کو خفیہ رکھا، اور وہ اپنے اسلاف پر کفر کی گواہی دینے کو ناپسند کرتے تھے، اور اس کے باوجود وہ ابو مسلم سے محبت رکھتے اور اس کی تعظیم کرتے تھے، اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے عباس اور اس کی اولاد کے بارے میں غلو کیا۔"

اور تمہارا وہ کہنا درست ہوتا، جس پر تم نے اعتماد کیا ہے، اگر جن لوگوں کو تم نے شمار کیا ہے اور ذکر کیا ہے وہ تمام اہلِ لغت ہوتے جن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جنہیں تم نے گنا ہے، وہ تمام اہلِ لغت کے مقابلے میں ایسی ہی حیثیت رکھتے ہیں جیسے ایک ناقابلِ تقسیم جزء زیادہ تر عالم میں۔ پس تمہیں ان کے ساتھ کوئی خاص تعلق حاصل نہیں، خاص طور پر اس وجہ سے کہ تم نے ان میں سے کسی ایک سے یہ انکار منقول نہیں پایا کہ (المولی) کا معنی امام ہو سکتا ہے اور یہ امام کے ہم معنی ہے۔ اور تم نے اس بارے میں ان کی کسی کتاب یا تصنیف کی طرف رجوع بھی نہیں کیا۔ بلکہ تم نے صرف اس بنیاد پر رجوع کیا کہ ان کی کتابوں اور تصنیفات میں یہ بات تحریر نہیں۔ لیکن کسی چیز کا ان کی کتابوں میں مذکور نہ ہونا اس کے باطل ہونے کی دلیل نہیں، بالخصوص جبکہ ہم نے ان اہلِ لغت سے، جن پر کوئی طعن نہیں، یہ ثابت کیا ہے کہ امامت کا مفہوم لفظ (مولی) سے ثابت ہوتا ہے۔ اور ہم نے ان کے اشعار سے بھی استشہاد کیا ہے، جو ان سے اس قدر مشہور ہیں کہ اگر انکار ممکن بھی ہوتا تو بھی وہ جھٹلائے نہ جاسکتے۔ اور اہلِ علم کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس باب میں مثبت (یعنی ثبوت دینے والا) منکر (یعنی انکار کرنے والے) سے زیادہ قابلِ ترجیح ہوتا ہے۔

رہا وہ حصہ جو تم نے کمیّت (الشاعر) کے بارے میں تقسیم کیا ہے، تو اس کا پہلا حصہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں، اور اس پر ہمیں کوئی جواب سننے میں نہیں آیا۔

اور دوسرا: اس کی بھی وضاحت گزر چکی ہے جو اس کے ردّ کے مترادف ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ گمان کرنا درست ہو کہ کمیتؒ — جن کے اشعار سے اللہ عزوجل کی کتاب میں استشہاد کیا گیا ہے — جو اپنے زمانے کے شعراء سے نظم کے اعتبار سے برتر تھے، اور فصاحت میں اس درجہ کو پہنچے تھے کہ اہلِ ادب میں سے کوئی بھی اس سے غافل نہ تھا، ان پر تعصب اور عناد نے اس بات پر آمادہ کیا ہو کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، دل سے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کریں، اور ایسا اسلوب استعمال کریں جو ان سے پہلے کسی نے استعمال نہ کیا ہو، اور کسی لفظ کو اس کے اصل معنی کے علاوہ کسی اور معنی پر رکھیں، یہاں تک کہ اسے شعر میں رائج کر دیں، اور اس پر دین داری کا اظہار کریں — تو پھر یہ اندیشہ نہیں رہتا کہ جاہلیت کے بہت سے فصحاء، جو ایمان کے قائل نہ تھے کہ ایمان انہیں جھوٹ سے روکتا، مگر وہ دین میں کمیت جیسے نہ تھے، انہوں نے ان میں سے بہت سے الفاظ وضع کیے ہوں جنہیں ہم آج اپنے موجودہ معانی پر رکھتے ہیں، حالانکہ ان کے ہاں یہ الفاظ ان معانی پر نہ تھے بلکہ کسی اور مفہوم پر مستعمل تھے، اور دوسرے معانی میں معروف تھے، محض اپنی کسی جماعت پر تعصب کے باعث، یا کسی غرض کے لیے، یا جدت طرازی کے شوق میں تاکہ اختلاف کے سبب مشہور ہوں، یا اپنے بعض ہم عصروں کے عناد میں، یا کسی اور وجہ سے۔ پس انہوں

نے اللہ تعالیٰ کا اس معاملے میں اسی طرح تقویٰ کیا جیسے کمیت نے لفظ (مولی) کے بارے میں کیا، بلکہ وہ اس کے زیادہ اہل تھے، ان کا یہ طرزِ عمل زیادہ مناسب تھا، اور ان کے لیے زیادہ روا تھا۔ اور یہ پورے اصل (یعنی لغت کے بنیادی اصول) کا انہدام ہے، ساری زبان کی بگاڑ ہے، اس میں مکمل تشکیک ہے، اور یہ الحاد کا ایک دروازہ ہے۔

تو **تیسرا پہلو** یہ ہے کہ یہ ایک فاسد اور باطل تأویل ہے، کیونکہ اگر معاملہ ویسا ہی ہوتا جیسا تم نے بیان کیا ہے کہ امامت فضیلت کے اعتقاد کی وجہ سے ہے نہ کہ قول کی وجہ سے، تو لازم آتا کہ جو کچھ اس سے ولایتِ عامہ اور قیادتِ کلی مراد ہے وہ فضیلت کے ذکر کے ساتھ مشروط ہوتا، نہ کہ اس قول کے ساتھ جو ہرگز اس کو واجب نہیں کرتا۔ بلکہ تمہارے زعم کے مطابق وہ اس مرتبے کا محض اظہار تھا جس کے سبب وہ اس وصف کا مستحق ہوا۔ یا پھر جب اس قول کا ذکر کیا تو اسے قیادت کے باب میں فضیلت کے تقاضے سے جدا نہ کرتا بلکہ دونوں کو ساتھ ملا دیتا۔ پس جب اس نے صرف قول ہی کو بیان کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ امامت کو کسی اور چیز سے لازم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور کیسے ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو جبکہ وہ اپنی تمام مشہور قصائد میں، جو بنی ہاشم کی مدح میں ہیں، ان کی فضیلتوں کو ایک ایک کر کے بیان کرتا ہے —ایک خصلت کے بعد دوسری خصلت — مگر کسی ایک فضیلت کے ذکر پر امامت کو لازم قرار نہیں دیتا، یہاں تک کہ جب یومِ غدیر کے خاص دن پر پہنچتا ہے۔ پس امامت صرف اسی قول سے لازم آتی ہے جو اس دن وقوع پذیر ہوا، اس کے سوا کسی اور سے نہیں۔ کیا یہ بات کسی پر پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ یا اس کا کوئی دوسرا مطلب لیا جا سکتا ہے، باوجود اس وضاحت کے جو ہم نے بیان کی؟ ایسا تو تب ہی ممکن ہے جب تمام شاعروں کے اقوال کو ان کے اصل مقاصد کے خلاف تاویل کر کے ان کے مراد کے بجائے کسی اور مطلب پر محمول کیا جائے۔

اور جہاں تک تمہارا یہ کہنا کہ میں نے حسان کے شعر کی شرح کیوں نہیں کی، تو میں نے اس سے اجمال کی طرف صرف اس لیے رجوع کیا کہ مجھے تمہارے ہاں اس کی شہرت اور اس کے مشہور ہونے کا علم تھا۔ اس لیے میں نے اس کے ذکر کو چھوڑ دیا کیونکہ پہلے جو مشہور شعر اس کے مانند گزر چکا تھا وہ اس کے ذکر سے کفایت کرتا تھا۔ لیکن اب جبکہ تم نے اس کی شرح چاہی، تو وہ یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو یومِ غدیر میں نصب فرمایا، اس کے بعد حسان نے اشعار کہنے کی اجازت چاہی اور آپ نے اس کو اس کی اجازت دی، جیسا کہ احادیث میں وارد ہے[16]۔

ان کے نبیؐ ان کو روزِ غدیر بلائیں گے

خم میں، اور رسول کی آواز کتنی سننے کے لائق ہو گی!

[16] المناقب لاخطب خوارزم: 80، وفرائد السمطين 1: 61، ومقتل الحسين عليه السلام للخوارزمي: 47، وأرجح المطالب: 567.

تو فرمایا: تمہارا مولا اور ولی کون ہے؟

تو انہوں نے کہا، اور وہاں کوئی مخالفت ظاہر نہ کی:

(إلهك مولانا وأنت ولينا)

"تیرا خدا ہمارا مولا ہے، اور تو ہمارا ولی ہے"

اور آج ہم میں سے کوئی تجھے نافرمان نہ پائے گا۔

تو اس نے فرمایا:

(قم يا علي فانني رضيتك من بعدي اماما وهاديا)

"اے علی! اٹھو، کیونکہ میں نے تمہیں اپنے بعد امام اور ہادی کے طور پر پسند کیا ہے"

(فمن كنت مولاه فهذا وليه)

"پس جس کا میں مولا ہوں، یہ اس کا ولی ہے"

(فكونوا له أنصار صدق مواليا)

"تو تم اس کے سچے مددگار اور وفادار بنو"

(هناك دعا اللهم وال وليه وكن للذي عادى عليا معاديا)

"وہاں اس نے دعا کی: اے اللہ! جو اس کا ولی ہے تو اس کا ولی بن جا، اور جو علی کا دشمن ہے تو اس کا دشمن بن جا"

اور یہ بات صریح اقرار ہے ان کی طرف سے امیر المؤمنینؑ کی امامت کے بارے میں، اس قول کے لحاظ سے جو یومِ غدیر کے دن رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علیؑ کے لیے صادر ہوا، جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں، اور نہ ہی اس کو اس کے حقیقی معنی سے پھیرنا جائز ہے۔

تو مجلس کے صاحب نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے یومِ غدیر میں یوں فرمایا تھا:

(قم يا علي فانني رضيتك للعالم إماما)

"اے علی! اٹھو، بے شک میں نے تمہیں تمام جہان کے لیے امام پسند کیا ہے"

جیسے کہ حسان نے اس کو اپنی نسبت میں کہا ہے۔

پھر اگر واقعی انہوں نے ایسا کہا تھا تو جھگڑا ختم ہو گیا، اور اب تجھے لفظ "مولی" کے مختلف احتمالات سے چمٹنے کی کوئی

ضرورت نہیں۔

اور اگر صرف یہی فرمایا تھا:

(من كنت مولاه فعلي مولاه)

"جس کا میں مولا ہوں، علی اس کا مولا ہے"

جیسا کہ پہلے بیان ہوا، تو وہ قول جو تُو نے حسان سے منسوب کیا ہے، وہ یقیناً جھوٹ ہے، اور جھوٹ کو ہم سب پر لازم ہے کہ چھوڑ دیں۔

میں نے اس سے کہا:

اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تفصیل سے اس طرح نہیں کہی جیسا کہ حسان نے اپنے کلام میں تفصیل سے بیان کیا، تو بھی انہوں نے اس کے معنی کو مختصر اور زیادہ بلیغ الفاظ میں ادا کیا۔

پس حسان کو اس کی وضاحت میں وہ تفصیل لانی پڑی جس کا ہم نے ذکر کیا، اور ہر وہ حکایت جس میں اصل الفاظ کے بجائے معنی ادا کیے جائیں، اگرچہ الفاظ مختلف ہوں، وہ اس وجہ سے رد نہیں کی جاتی، اور نہ ہی اس سے راوی کے جھوٹ یا غلطی پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

اور اگر تیرا یہ اصول مان لیا جائے، تو لازم آئے گا کہ عربی کو فارسی میں، فارسی کو نبطی میں، اور عبرانی کو سریانی میں نقل کرنا محال ہو جائے، اور تمام منظوم حکایات باطل ہو جائیں، کیونکہ جو چیز حکایت کی جاتی ہے، وہ عین وہی الفاظ نہیں ہوتے۔

یہ اس بات کا تقاضا کرے گا کہ کوئی بھی شاعر، خواہ قدیم ہو یا جدید، کسی سابقہ واقعے، حکمت، سخاوت یا عجیب فعل کی حکایت میں سچا نہ ٹھہرے، الا یہ کہ وہ اسے بعینہٖ انہی الفاظ میں اور عین اسی ترتیب کے ساتھ بیان کرے، جو ممکن نہیں۔

ہم اس قول کے قائل نہیں، اور نہ ہی اہلِ نظر میں سے کوئی اس کو درست سمجھتا ہے، لہٰذا ہم اس بحث میں طوالت اختیار نہیں کرتے۔

تو میرے اُس ساتھی نے، جو پہلے بولنے والا تھا، دوبارہ بات کی اور کہا: "یہ جو تم اخطل کا شعر لائے ہو، اگرچہ وہ اپنے قول 'فأصبحت مولاها' سے خلافت مراد نہیں لیتا جیسا کہ تم نے کہا، بلکہ قریش کو مراد لیتا ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا، تو بھی اس میں وہ دلالت نہیں پائی جاتی جس طرف تم گئے ہو۔ کیونکہ اس نے لفظ '**مولی**' سے مراد قریش کا مددگار لیا ہے، یعنی وہ شخص جس کی مدد قریش پر لازم ہے۔ اور کمیت کے بارے میں ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اس کا یہ عقیدہ رکھنا ممکن نہیں کہ امیر المؤمنین علیہ

السلام کو سب پر فضیلت حاصل ہے، جیسا کہ واقعہ غدیر کے دن پیش آیا، اور اس بنا پر اس کے لیے امامت کو واجب سمجھا، لیکن قول کی وجہ سے نہیں۔"

تو مجلس میں موجود شخص نے یہاں بات کو آگے بڑھایا اور کہا: "یہ بھی ممکن ہے کہ وہ غلطی پر ہو، اگرچہ وہ اہلِ زبان میں سے ہے، کیونکہ امرؤالقیس کے بارے میں —باوجود اس کی عظمت اور اپنے ہم عصر کے علم میں برتری کے— بہت سے لوگوں نے ایک بات میں اس کو غلط قرار دیا ہے جو اس کے بارے میں ذکر کی گئی، مگر جب یہ مسئلہ میرے سامنے آیا تو وہ بات مجھے یاد نہ رہی۔ اور خود وہ شخص —یعنی کمیت— بھی اپنے اس قول میں غلطی پر ہے:

أبرق وأرعد يا يزيد فما وعيدك لي بضائر

برق چمکاؤ اور گرجاؤ اے یزید! تمہاری دھمکی مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔[17]

اس نے لفظ "مولی" میں اپنی غلطی کا انکار نہیں کیا، اگرچہ وہ زبان میں اپنی اصل کے لحاظ سے اسی صفت پر ہے۔ متکلم نے پہلے کہا: "امر ویسا ہی ہے جیسا کہ ہمارے سردار (اللہ ان کی عزت قائم رکھے) نے بیان فرمایا ہے" —یعنی مجلس کے صاحب— "اور ممکن ہے وہ بھی جو ہم نے کہا۔"

پھر مجلس کے آخری حصے سے ایک شخص نے بات کی اور کہا: "کیسے ممکن ہے جبکہ وہ (یعنی ہمارے اصحاب) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس موقع پر علی علیہ السلام سے فرمایا:

أنت أمير المؤمنين

(تم امیر المؤمنین ہو)۔

تو یہ ناممکن نہیں کہ کمیت نے اسی بنیاد پر اپنے شعر میں وہ کہا جو کہا، اور یہ بات لفظ 'مولی' کے مفہوم سے نہیں کہی۔"

پھر مجلس کے اطراف سے لوگ بولنے لگے، اور ان کی باتیں آپس میں مل گئیں، تو سب کو خاموش کر دیا گیا۔ پھر میں نے اپنے اس ساتھی کی طرف توجہ کی جو پہلا متکلم تھا اور کہا: "تو نے اس شخص پر اعتراض کیوں کیا جس نے تجھ سے کہا کہ جس چیز کی طرف تو نے اس موقع پر رجوع کیا ہے، باوجود اس کے کہ تسلیم کیا جائے کہ 'ھاء' قریش کے لیے ضمیر ہے، اور 'المولی' سے مراد ناصر ہے، اور شاعر نے قریش کی نصرت کا ارادہ کیا ہے اور قریش کی نصرت اس کے لیے، تو بھی یہ بات ساقط ہو جاتی ہے، کیونکہ قریش کی نصرت کا وجوب اس پر امامت کے عقد کے ذریعہ نیا لازم نہیں ہوا بلکہ وہ پہلے سے واجب تھی۔"

---

[17] حكاه ابن منظور في لسان العرب 10: 14.

یہ وجوب ان پر پہلے سے لازم تھا** سنت، کتاب اور اجماع** کی بنا پر کہ مسلمان پر مسلمان کی نصرت واجب ہے، اور دین دار پر اپنے دینی بھائی کی مدد لازم ہے۔

تو اس وجوب کے لیے اس کے باپ کی کرم نوازی اور فضل کا محتاج نہ تھا، جیسا کہ شاعر نے قریش کی طرف سے اس مطالبے کا ذکر کیا ہے، جہاں وہ کہتا ہے:

فما وجدت فيها قريش لامرها
أعف وأوفى من أبيك وأمجدا
واورى بزنديه ولو كان غيره
غداة اختلاف الناس أكدى وأصلدا
تجدد حال بعد أن لم تكن
فاصبحت مولاها من الناس كلهم
واحرى قريش أن تهاب وتحمدا

(قریش نے اپنے معاملے میں تمہارے باپ سے زیادہ باعفت، زیادہ وفادار، زیادہ باعظمت اور زیادہ شرافت والا کوئی نہ پایا، اس نے اپنی کوشش سے وہ آگ روشن کی جو اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اختلاف کے دنوں میں سرد اور بجھی ہوئی رہتی، ایک نئی حالت پیدا ہوئی جو پہلے نہ تھی، تو تم سب لوگوں کے مولیٰ بن گئے، اور قریش زیادہ سزاوار ہوئی کہ وہ تمہارا احترام کرے اور تمہاری تعریف کرے۔)

اور اگر معاملہ ویسا نہ ہوتا جیسا ہم نے کہا بلکہ جیسا تم نے کہا، تو پھر اس کی نصرت کا ان کے لیے، اور ان کی نصرت کا اس کے لیے، وجوب ایسا نہ ہوتا جو اس کی خاص تہنیت اور تعریف کا سبب بنتا، دوسرے تمام ناصرین اور منصورین کے مقابلے میں۔

ہاں، الا یہ کہ وہ نصرت امامت اور سلطنتِ قیادت کی نصرت ہو، تو بات پھر اسی پر لوٹتی ہے جو ہم نے کہا۔

اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اگر شعر کو انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو ہمارا قول ہی مضبوط ٹھہرتا ہے اور اس کے مخالف کو باطل کر دیتا ہے، بغیر کسی تکلف کے۔ اور یہ بات ظاہر ہو گئی، الحمدللہ۔

پھر میں مجلس کے صاحب کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

"جو کچھ ہمارے سردار (اللہ ان کی عزت قائم رکھے) نے کہا، امرؤالقیس کی غلطی کے بارے میں، ان لوگوں کے مطابق جنہوں نے اسے غلط کہا، اور کمیت کے شعر کے بارے میں جس پر اعتراض کیا گیا، ہم اس کو بطور گواہ قبول کرتے ہیں، کیونکہ

جن اہلِ لغت نے ان دونوں کو غلط کہا وہ دراصل اہلِ لغت کے عام قبیلے سے الگ ہو گئے اور ایسا فیصلہ کیا جس پر ان کے بڑے علماء میں سے کسی نے ان کی موافقت نہ کی، بلکہ وہ اس میں اکیلے رہ گئے، گویا کہ اہلِ لغت کے قبیلے میں ایک شاذ فرد بن گئے۔ اور یہ بھی اسی وقت ممکن ہوا جب امرؤالقیس اور کمیت کی معرفت میں سرداری اور ان کی فصاحت میں پیشوائی مسلم تھی، اور وہ بعد والوں کے لیے مقتدا تھے۔ پس جب یہ بات طے ہے تو لازم ہے کہ یہی حال ان لوگوں کا ہو جنہیں ہم نے لفظ 'مولی' کے استعمال میں غلط ٹھہرایا ہے۔ یہ بات ہمارے قول کی تائید اور اس کی مزید وضاحت کرتی ہے، اور مخالف معنی کو باطل کر دیتی ہے۔

مزید یہ کہ وہ شعر جسے اصمعی سے نقل کیا گیا کہ اس نے کمیت پر طعن کیا، وہ اس کے اس شعر کے بر خلاف ہے جو اس نے امیر المؤمنین علیہ السلام کے بارے میں حدیثِ غدیر کے حوالے سے کہا۔ اس لیے کہ جس نے اس پر طعن کیا، اس نے بغیر کسی پیش رو یا ہم پلہ کے ایسا کیا، اور ظاہری لغت اس کے خلاف مشہور تھی، اگرچہ کمیت کے پاس اس کے جواز کے لیے دلائل اور حجتیں تھیں۔ اور جو اس نے حدیثِ غدیر سے استنباط کیا اور اپنے شعر میں واضح کیا، اس سے پہلے بھی اہلِ فصاحت میں سے صحابہ اور اہلِ بیت علیہم السلام نے ویسا ہی کہا تھا، اور ان کے بعد آنے والے شیعہ فصحاء نے بھی اسی پر عمل کیا، تو اس میں اس کے لیے کوئی منفرد نظیر نہیں۔

پھر میں نے اس شخص کے اعتراض کو باطل کرنا شروع کیا جس نے حدیثِ غدیر کے حوالے سے علی علیہ السلام کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کرنے کے مسئلے پر استدلال کیا تھا، مگر وہ سننے سے رک گئے۔

میرے ساتھی متکلم نے کہا:

"بات میرے ساتھ ہے، ہر ایک سے بات کرنا ضروری نہیں جو تم سے بات کرے، ورنہ وقت ضائع ہو جائے گا۔"

پس سب نے اس شخص سے گفتگو سے اجتناب کیا، پھر وہ کچھ کہنے لگا، مگر میں نے اس کی بات میں کوئی اضافہ محفوظ نہ رکھا، سوائے اس کے کہ وہ میرے پہلے دلائل سے متفق نہ تھا۔

پھر مجلس ختم ہو گئی اور ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔

"فصل"

جان لو، اللہ تمہیں ہدایت دے: بے شک وہی چیز جس پر انہوں نے لفظ "مولیٰ" کے معنی میں ہم پر اعتراض کرتے ہوئے اعتماد کیا ہے، وہی ان کے لیے باطل ثابت ہوتی ہے، اسی بنیاد سے جس سے انہوں نے ہمارے دلیل کے فاسد ہونے کی

کوشش کی تھی—خواہ وہ شعر سے ہو یا روایت سے—بعینہٖ اسی سے ان کی اپنی بات ٹوٹ جاتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے کہا جاتا ہے: اگر تم نے ان فصیح و بلیغ لوگوں کی بات کو چھوڑ دیا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور ہم نے اپنے اعتماد کو تین منزلوں پر رکھا ہے:

اول: جہالت اور غلطی،

دوم: تعصب اور عناد،

سوم: تاویل جو عقیدہ سے متعلق ہے۔

تو تمہیں کس چیز نے اس بات سے روکا کہ یہی تین منزلیں ان لوگوں کی حالت نہ ہوں جن کی طرف تم نے ہمیں رجوع کرنے کا کہا ہے، اور جن کی کتابوں اور تصنیفات کی طرف ہمیں بلایا ہے، اور جن کے بارے میں تم نے گمان کیا ہے کہ وہ اس باب میں ستون و سہارا ہیں؟ حالانکہ وہ ان باتوں سے معصوم نہیں تھے، نہ ان سے بری الذمہ تھے، اور نہ ہی ان سے اس کا صدور ممکن نہ ہونے کی کوئی دلیل ہے۔ بلکہ ان کے حالات ایسے تھے جو اس (تعصب و تاویل) کی طرف دعوت دیتے تھے، ان کے اسباب انہیں اس کے قریب کرتے تھے، اور ان کے داعی و رجحانات انہیں اس میں مبتلا کرتے تھے، کیونکہ ان کے لیے بلاشبہ قیادت و سرداری اس طرف سے تفویض کی گئی تھی جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امیر المؤمنین علیہ السلام پر امامت کے نص کو رد کیا تھا، اور اسی پر دین داری کا اظہار کرتا تھا، اور اسی پر مسلسل قائم رہتا تھا۔ اور ہر عاقل جانتا ہے کہ رغبت و خوف کا اثر حق کو چھپانے اور باطل کو مسلط کرنے میں کس قدر قوی ہوتا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جس میں وہ کوئی فصل و جدائی نہیں پاتے۔

"فصل"

میں نے مجلس سے واپسی کے بعد ابو عبیدہ معمر بن المثنی[18] کی کتاب غریب القرآن سے کچھ باتیں ذکر کی تھیں جو اُن کے اس دعوے کو باطل کرتی ہیں جس پر وہ اعتماد کیے ہوئے تھے، اور جس میں وہ غلطی پر تھے۔ میں نے بعد میں ان میں سے بعض سے اس بارے میں گفتگو بھی کی۔ بات یہ ہے کہ ابو عبیدہ—جن کے ظاہرِ حال اور مشہور مذہب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیعہ

---

[18] ابو عبیدہ، معمر بن مثنّی التیمی بالولاء، بصری نحوی، سنہ 110 ہجری میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ وہ ادب اور زبان کے علم کے ائمہ میں سے تھے۔ جاحظ نے کہا: زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا جو تمام علوم میں ان سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ ان کی تقریباً دو سو تصنیفات تھیں۔ بصرہ ہی میں سنہ 209 ہجری میں وفات پائی، اگرچہ بعض نے اس کے علاوہ بھی کہا ہے۔
ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد 13: 252۔

کے مخالف اور ان کے معاند تھے ــ انہوں نے اپنی کتاب غریب القرآن میں سورۂ حدید کی اس آیت کے بارے میں فرمایا ہے:

"هي مولاکم"

(یعنی وہ تمہارا زیادہ حق رکھنے والا ہے)

لبید[19] نے کہا ہے:

فَغَدَتْ كِلَا الفَرْجَيْنِ تَحْسَبُ أَنَّهُ
مَوْلَى المَخَافَةِ خَلْفُهَا وَأَمَامُهَا

(تو دونوں پہلو یہ گمان کرتے ہیں کہ خوف کا مالک اس کے آگے پیچھے ہے۔)

یہی اس کے اپنے الفاظ ہیں، اسی کتاب میں، نہ اس میں کوئی اضافہ ہے نہ کمی۔ اگر ابو عبیدہ کے ذہن میں اس لفظ کے اس معنی کی تفسیر کرتے وقت شیعہ حضرات کے امیر المؤمنین علیہ السلام کی امامت سے متعلق استدلال کا خیال آجاتا تو وہ اس کو صراحت سے بیان نہ کرتے بلکہ اپنے پیشرووں اور ہم مشربوں کی طرح چھپا لیتے اور ان کے طریقے پر چلتے۔ لیکن اللہ ہی کے لیے حمد ہے جس نے اپنے نور کو مکمل کیا اگرچہ مشرکوں کو ناگوار گزرے۔

"فصل"

اور جس نے اعتراض کرتے ہوئے یہ کہا کہ: تمہیں کس بات نے روکا کہ تم یہ مانو کہ کمیت بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس شعر میں:

**ويوم الدوح دوح غدير خم
أبان له الولاية لو أطيعا**

(اور دنِ دوح، دوحِ غدیرِ خم کا دن، اس نے علی کے لیے ولایت کو ظاہر کیا اگر ان کی اطاعت کی جاتی)

سے مراد وہ بات لی ہے جو روایت میں آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس دن لوگوں کو حکم دیا کہ وہ علی کو امیرالمؤمنین کہہ کر سلام کریں، تو اس نے اس کو درست سمجھا اور اس پر عمل کیا، اور اس کا یہ مطلب نہ لیا کہ "من كنت مولاه فعلي مولاه" (**جس کا میں مولا ہوں، علی بھی اس کا مولا ہے**) کیونکہ وہ فصیح و بلیغ شخص تھا اور ایسے معنی سے جاہل نہیں ہو سکتا تھا،

---

[19] لبید بن ربیعہ بن مالک بن جعفر بن کلاب العامری، ابو عقیل، مخضرمین شعرا میں سے تھے۔ انہوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے پاس بنو کلاب کے وفد میں حاضر ہوئے، تو وہ سب مسلمان ہو گئے اور اپنے وطن واپس چلے گئے۔ بعد ازاں لبید کوفہ آئے اور وہیں معاویہ بن ابی سفیان کے زمانے میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو ستاون سال تھی۔ ملاحظہ ہو: الشعر والشعراء: 148۔

لہٰذا تمہارا اس سے استدلال باطل ہے۔

اس باب میں پہلی بات یہ ہے کہ اگر معاملہ ویسا ہی ہے جیسا تم نے بیان کیا، تو یہ تمہارے تمام اصحاب کے جھوٹے ہونے یا ان کے اس دعوے کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے جو وہ شیعہ پر لگاتے ہیں کہ ماضی میں کسی نے امیر المؤمنین علیہ السلام کی امامت کا دعویٰ صریح قول کی بنیاد پر نہیں کیا، یہاں تک کہ ابن الراوندي نے یہ بات گھڑ کر ان کی طرف منسوب کی اور اس کو ترتیب دیا، تو انہوں نے اسی کو پکڑ لیا اور اسی پر احتجاج اور دفاع شروع کر دیا۔ یہ دراصل ان سب کی تردید اور ان کے تمام پیشواؤں پر صریح طعن ہے جو ابن الراوندي کے زمانے میں یا اس کے بعد تھے، گویا وہ سب کے سب اس کو مانتے اور کہتے تھے تاکہ وہ جاہل لوگوں کو دھوکے میں رکھیں۔ بالخصوص ان کے بڑے شیخ ابو علی نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے، اور یہ وہی بات ہے جس کے اعتراض کا میں نے پہلے ذکر کیا تھا، اور اب ان میں سے کوئی بھی اس سے انکار نہیں کرتا۔

"فصــل"

پھر اس سے کہا جائے گا:

بے شک وہ روایات جو اس بات پر وارد ہوئی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے امت کو حکم دیا کہ وہ روزِ غدیر امیر المؤمنین علیہ السلام کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کریں، تو وہ اس طرح وارد ہوئی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے امت کے سامنے ان کی اطاعت کو فرض قرار دے دیا، پھر اس کے فوراً بعد فرمایا: "فمن كنت مولاه فعلي مولاه" (**پس جس کا میں مولا ہوں، علی بھی اس کے مولا ہیں**)، اور جب اس بات کو تفصیل سے بیان فرما دیا تو اس وقت امت کو حکم دیا کہ وہ اس لفظ "مولی" کے مفہوم کے مطابق ان کے لیے اقرار کرے، چنانچہ فرمایا: "**علی کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کرو**"۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ کا ان سے یہ کہنا اس لفظ کے معنی کو واضح کرنے کے لیے تھا، اور یہ ایک طرح سے تفسیر کے درجے میں تھا، اور معلوم امر کے اقرار کو لازم پکڑنے کے لیے تھا، اور مقصود کی تاکید کے طور پر تھا، اور یہ بات ہمارے اس قول کی صحت کو واضح کرتی ہے جو ہم نے لفظ "مولی" کے بارے میں کہا ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ جب کسی موقع پر دو چیزیں پائی جائیں، ان میں سے ایک پر اجماع ہو جائے اور دوسری میں اختلاف ہو، اور اگر مدح کے موقع پر وہ بات چھپائی گئی ہو تو وہ مدح سے متعلق ہو، یا اگر مذمت کے موقع پر چھپائی گئی ہو تو وہ مذمت سے متعلق ہو، اور اگر اس سے متعلق شعر کہا گیا ہو یا نثر میں گفتگو ہوئی ہو، تو یہ محال ہے کہ کوئی شخص اختلافی بات کو

مراد لے اور اس بات کو چھوڑ دے جس پر اجماع ہو، اور چھپی ہوئی بات کو اختیار کرے اور مشہور بات کو ترک کر دے، سوائے اس کے کہ وہ انتہائی جاہل، ہٹ دھرم اور ناقص ہو۔

اور کمیت رحمہ اللہ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس درجے کے ہوں، اگرچہ ان پر رائے و قیاس کے اعتبار سے غلطی کا الزام لگایا گیا ہے، جیسا کہ صاحبانِ عقل و دانش سے کبھی کبھار شبہات کے باعث لغزش ہو جاتی ہے۔

اور جب معاملہ اس طرح ہو جیسا ہم نے بیان کیا، اور جبکہ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ "من كنت مولاه فعلي مولاه" پر اجماع ہے کہ وہ روزِ غدیر کا قول ہے، اور اس کا ظاہر عام ہے تمام لوگوں کے لیے، یہاں تک کہ جب بھی غدیر کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد اسی قول کا مقدمہ ہوتا ہے، اور جب بھی اس قول کا ذکر کیا جاتا ہے تو سننے والے سب اس موقع کو یاد کرتے ہیں۔

اور وہ بات جو شیعہ کے خاص ہونے کے اعتبار سے مشہور ہے، یعنی یہ قول کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس دن فرمایا: "**علی کو امیر المؤمنین کہہ کر سلام کرو**"، تو یہ اس درجے میں نہیں آتا بلکہ جیسا کہ پہلے بیان ہوا، یہ ان باتوں میں سے ہے جن میں اختلاف ہوا، جن کا انکار کیا گیا، اور جو ایک خاص گروہ سے مخصوص ہیں نہ کہ سب سے۔

یہ اس بات پر دلیل ہے کہ کمیت نے اس (یعنی سلام کرنے کے حکم) کو مراد نہیں لیا، اگرچہ اس نے غدیر اور اس کے دن سے متعلق بات کو اجمالاً بیان کیا اور اس میں تفصیل ذکر نہیں کی۔

اور ایک دوسری بات یہ ہے کہ شیعہ نے نص کے دعوے کو صرف روزِ غدیر تک محدود نہیں رکھا بلکہ انہوں نے اسے روزِ دار (یعنی دعوتِ بنی ہاشم کے دن) میں بھی روایت کیا ہے، اور اس پر اہلِ حدیث کے اکثر عامہ اور دیگر لوگوں نے بھی موافقت کی ہے، اور اسے مختلف مواقع اور کئی مقامات پر روایت کیا ہے۔

تو پھر یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ کمیت نے یہی مراد لی ہو، مگر اسے روزِ دار سے نہیں جوڑا، باوجود اس کے کہ وہ دونوں گروہوں میں مشہور ہے، اور نہ ہی اسے ان دوسرے مواقع سے مربوط کیا جنہیں ہم نے شمار کیا، بلکہ اسے روزِ غدیر سے مربوط کیا، حالانکہ وہ دیکھتا تھا کہ تمام شیعہ روزِ غدیر کے موقع پر امامت کے معاملے میں صرف لفظ "مولی" پر اجماع کے طور پر اعتماد کرتے ہیں، نہ کہ ان دوسرے نصوص پر جو بعد میں وارد ہوئیں اور جن پر کم احتجاج کیا گیا، اختلاف کی وجہ سے۔

یہ وہ بات ہے جس کا گمان کوئی بھی شخص نہیں کر سکتا۔

اور اللہ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں، اور درود بھیجتا ہے اللہ ہمارے سردار محمد نبی اور ان کے پاکیزہ اہلِ بیت پر، اور سلام ہو ان پر بہت زیادہ، بہت زیادہ۔